قیمت پانچ آنہ

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ کے رسالے
جنہیں مسٹر رازق الخیری ایڈیٹ کرتے ہیں

عصمت دہلی

ہندوستان بھر کے تمام زنانہ
اخبارات و رسائل میں سب سے اچھا اور
سب سے زیادہ چھپنے والا مشہور و معروف
باتصویر ماہوار رسالہ جو ۲۵ سال سے
کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ عصمت
تمام اردو رسالوں سے زیادہ تصاویر
اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین
کے اعلیٰ درجے کے مضامین ۸۰ صفحوں پر ہر
ماہ شائع کرتا ہے عصمت ہی وہ رسالہ
ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ
سے شریف بیگمات کیلئے ہندوستان
کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔
سالانہ چندہ۔ قسم اول پانچ روپے
قسم دوم معمولی کاغذ ۳ روپے

بنات دہلی

مسلمان بچیوں کے لئے نہایت مفید اور
دلچسپ رسالہ جس کی زبان اتنی آسان ہوتی
ہے کہ دس گیارہ برس کی بچیاں بھی سمجھ سکیں،
نہایت دلچسپ کہانیاں اور مفید مضامین
ہر ماہ شائع کئے جاتے ہیں۔ بچیاں بڑے
شوق سے بنات کا مطالعہ کرتی ہیں،
عصمت کے علاوہ صرف یہی ایک پرچہ ہے
جس میں حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ ہر
ماہ بیش بہا مضامین تحریر فرماتے ہیں
بنات کا مقصد مسلمان بچیوں میں مذہبیت
پیدا کرنا ہے اور تربیت گاہ بنات جیسی مفید
درسگاہ کی امداد۔ اس لئے ہر مسلمان کو
یہ رسالہ خریدنا چاہئے۔
چندہ سالانہ بھی اس قدر کم کہ غریب سے غریب
مسلمان خرید سکیں یعنی صرف
ایک روپیہ آٹھ آنہ بذریعہ منی آرڈر۔
اس قدر سستا زنانہ پرچہ کہیں نہیں
مل سکتا۔

منیجر عصمت و بنات کوچہ چیلان دہلی

ایک دلآویز مختصر افسانہ

تصنیف

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
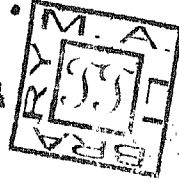
موسم بہار کی ایک صبح کو، جب نیلگری پہاڑ کی چوٹیاں آسمانی دولہا کے استقبال کی تیاری کر رہی تھیں نسیم گدگدا کر پھول بنا رہی تھی پرندوں کا نغمہ اور ہوا کی راگنی موسیقی کا ایک مجسمہ پیدا کر رہی تھی۔ بیس یا اکیس سال کی ایک لڑکی جس کے قدموں پر حسن قربان ہو رہا تھا۔ شاہ بلوط کی سرسبز ڈالیوں میں دونوں ہاتھ ڈالے خاموش کھڑی تھی۔ اس کا معصوم دل اس پھول کی طرح جس کو کھلنے سے پہلے پالا مار گیا ہو، افکار کے ایسے دریا میں غوطے کھا رہا تھا جس کے کنارے ناپید تھے۔ اس کی میٹھی زبان، اس پانی کی طرح، جو سوت رک جانے سے بہتا بہتا بند ہو گیا ہو اس طرح خاموش ہوئی تھی جس کی روانی کے آثار مفقود تھے۔

اس کے بال پریشان تھے اور نرگسی آنکھیں ایک قابل برداشت

مصیبت کا دیباچہ تھیں متاذی خیالات اس کے سرخ وسفید رخساروں
پر اپنے اثرات چھوڑ کر آ اور جا رہے تھے مگر وہ اپنی ذہن میں اس
درجہ مستغرق تھی کہ اس کو کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ صبا اس کی
گود میں کھیل رہی تھی، پتے اس سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔
پھولوں کی پنکھڑیاں اس کے نازک جسم سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں۔
لیکن اس کا دماغ بے حس تھا، اس کی نگاہ بہ ظاہر کائنات کے مطالعہ
میں مصروف تھی مگر حقیقتاً وہ کچھ دیکھ رہی تھی نہ سن رہی تھی اور اس
وقت بھی اس کے سامنے ان خیالات کے سوا جو دماغ میں چکرا رہے
تھے اور کچھ نہ تھا۔

بکرے اس کے سامنے چھوٹے چھوٹے درختوں کے تنوں پر پاؤں
رکھے پتے کھا رہے تھے، ہوا اس کے سر پر پھول پھینک پھینک کر جو تھی
کھیل رہی تھی لیکن اس کے ٹھنڈے سانسوں میں فرق نہ آتا تھا۔
آبشار اس کی فریاد کے ہمنوا تھے کہ ایک طرف سے کوئل کی مست
آواز نے مضراب کی طرح اس کے زخموں کو چھیڑا وہ چونکی، اس کے
ساکت جسم میں ایک جنبش ہوئی اور خاموش نگاہ نے ارضی خزانوں پر
ایک نظر ڈالی۔

دنیا قدرت کے انعامات سے مالا مال تھی، جانور کلیلیں کرتے
پھرتے تھے، بندر اور لنگور اچھلتے تھے، چشمے چاروں طرف پھوٹ
رہے تھے اور خدائی نظام ذرہ بھر متغیر نہ تھا۔ حسینہ آگے بڑھی اس نے

دامن کوہ کی عظیم الشان حویلی پر ایک نظر ڈالی، ٹھنڈا سانس بھرا، اور نیچے اترنے لگی۔ مگر اس کی بیداری آناً فاناً میں ختم ہو چکی تھی وہ مُعا اپنے تفکرات میں غرق ہوئی اور گرد و پیش کے تمام ظاہر حالات اس کے دل سے فراموش ہو گئے۔

چند ہی قدم چل کر اس کا پاؤں رپٹا اور یقیناً ہڈی پسلی چور ہو جاتی کہ ایک نقاب پوش ہستی نمودار ہوئی اس کو روکا، سنبھالا، اور غائب ہو گئی۔ حسینہ نے ہر چند کوشش کی کہ اپنے محسن کا پتہ چلائے لیکن درخت کی آڑ میں پہونچتے ہی اس کا پتہ نہ چلا۔ حسینہ کچھ دیر ٹھٹکی اور نیچے اتر کر اس مکان میں داخل ہوئی جس پر لکھا تھا۔

ظفر حیدر۔ بی اے ایل ایل بی ۔

(۲)

امریکہ کا مشہور کروڑپتی تاجر برنارڈ فنڈ کے نام سے جب ایک وقف چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا تو اس کی لاولد بیوی جو اب مسز برنارڈ کے نام سے مشہور تھی، اپنا وطن چھوڑ چھاڑ ہندوستان میں رہنے سہنے لگی۔ وقف بنی نوع انسان کی خدمت اور مذہب عیسوی کی تبلیغ کے واسطے تھا، مسز برنارڈ اس کی متولی تھی اور چونکہ عمر کا بڑا حصہ ایک نیک شوہر کے ساتھ بسر کیا تھا اس لئے انتہائی خلیق تھی، ہسپتال، بیوہ گھر یتیم خانے جا بجا ہنوا رہی تھی اور محض اپنے خُلق کی وجہ سے اشاعت مذہب میں غیر معمولی کامیاب ہو رہی تھی، ہندوستان کا کوئی بڑا شہر ایسا

نہ تھا جہاں برنارڈ فنڈ سے لوگ مستفید نہ ہو رہے ہوں، مسز برنارڈ کے خلق کا یہ حال تھا کہ قصبے اور گاؤں جہاں وہ نکل جاتی لوگ اس پر پروانے کی طرح گرتے بیس سال کے عرصہ میں کچھ نہیں، تو محض اپنی خوش مزاجی سے دس ہزار آدمی تو عیسائی کئے ہوں گے۔ اور خدمات کا تو ذکر ہی کیا۔

انسان کیا وہ ایک فرشتہ تھی جس کی زندگی کا ہر لمحہ دوسروں کی بھلائی یا بھلائی کی کوشش میں گزرتا۔ وہ اب بڑھیا ہو گئی تھی اور کہہ سکتے ہیں کہ موت کے اندیشہ سے خدا ہر وقت سامنے دکھائی دیتا تھا مگر امر حق یہ ہے کہ اس کی جوانی بھی جب وہ نئی نئی ہندوستان میں آئی انسانیت کے فرائض کو زندگی کے دروازوں سے اچھی طرح جھانک رہی تھی، اندھے مرد اپاہج عورتیں، غریب بچے، اس کا کلمہ پڑھتے تھے، اور پاپا ناٹ میا، کہکر پکارتے تھے اس نے کبھی وعظ کہا نہ منادی کی۔ مگر اپنی محبت اور خدمت سے لکھوکھا دل رام کئے اور ہندو مسلمانوں کو عیسائی بنایا وہ اتنی خلیق اور نیک طینت تھی کہ کبھی کسی شخص کو جس سے اس کو تکلیفیں بھی پہونچیں، نقصان پہونچانے کا خیال تک نہ کیا۔ اس کا بڑا نوکر عبدل جو پندرہ بیس برس کا ملازم تھا اگر بیوقوف تھا مگر بعض دفعہ اس کی بیوقوفیوں سے کھلی ہوئی شرارت کی بو آتی تھی۔ لیکن برنارڈ سمجھا بجھا کر خاموش ہو جاتی وہ جب نوکر ہوا ہے خاصی ڈیڑھ بالشت کی سیاہ ڈاڑھی تھی عمر کی ترقی کے ساتھ ڈاڑھی بھی ترقی کرتی رہی جس کو کبھی قینچی نہ لگی اس لئے اب

اس کی ڈاڑھی ناف سے نیچے اور اکثر موقعوں پر تکلیف دہ تھی۔ ایک دفعہ جب ٹرین چلنے کو تیار تھی عبدل نے برنارڈ میتا کا اسباب پہونچایا گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی عبدل نے لپک کر بیگ رکھا۔ برنارڈ نے کھڑکی بند کی مگر عبدل کی ڈاڑھی کھڑکی میں آگئی۔ ہر چند زور کیا اور کوشش بھی مگر ڈاڑھی نہ چھوٹی۔ اب گاڑی چل رہی ہے اور عبدل لٹک رہے ہیں برنارڈ نے دیکھا تو لپک کر کھڑکی کھولی اور اس کو اندر کیا اسی طرح ایک اور موقعہ پر برنارڈ نے رات کو سوتی دفعہ کہا: عبدل تمہاری نیند نے بہت پریشان کیا ہے پچھلی اتوار کو محض تمہاری وجہ سے ہمارا جانا رہا اب اگر تم چار بجے نہ اٹھے تو ہم تم کو چھوڑ کر اسٹیشن چلے جائیں گے گاڑی ساڑھے پانچ بجے چھوٹ جاتی ہے۔ عبدل یہ سمجھ کر کہ کہیں برنارڈ سچ مچ اکیلے نہ چلے جائیں، سوئے تو اس طرح کہ برنارڈ کے کمرہ کی باہر سے کنڈیاں لگا دیں وہ وقت مقررہ پر جاگے ہر چند چلائے مگر عبدل اس وقت تک نہ جاگا جب تک وقت نہ نکل گیا۔

(۳)

آفتاب کی شعاعیں پہاڑ کے دامن کو چیرتی ہوئی حیدری منزل میں پہونچیں ظفر ہندوستان کا مشہور وکیل تھا اور اس کی بیوی حیدری خانم شہر کے معزز سیٹھ کی اکلوتی لڑکی ان کی یہ حویلی چشمے کے

کنارے ایک ایسے پُر فضا میدان میں تھی جہاں موسم گرما کے خوش الحان پرند مختلف اقسام کے خوش رنگ پھول ہوا کے ٹھنڈے اور میٹھے جھونکے علی الصباح دل و دماغ کو معطر کر دیتے تھے عصمت دہلی دالان صحن میں اپنی کنواری بچی اور شوہر کے ساتھ چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی کہ اس نے دروازہ میں کسی کی آہٹ سنی اور کہا۔ "وہ کون ہے اندر آ جاؤ"
سر سے پاؤں تک برقع میں لپٹی ہوئی عورت جس کی داہنی آنکھ کھلی ہوئی تھی پردہ اٹھا کر "السلام علیک" کہتی اندر داخل ہوئی اس کو دیکھ کر خانم نے ایک قہقہہ لگایا اور شوہر سے کہا "لیجئے وہ آپ کی حشمت تشریف لے آئیں خدا جانے رات کو نیند آئی تھی یا نہیں۔ وہیں دفتر میں چلے جائیے اور اس کو بھی لے جائیے۔ صبح ہی صبح کام نہ کاج آ چڑھی"

ظفر: "حشمت! تم نے مجھکو کیوں پریشان کیا ہے آخر مجھکو دنیا کے اور بھی کام کرنے ہیں یا تم ہی سے سر مارے جاؤں۔ میں نے تم سے شام کو بھی کہدیا تھا کہ وکالت میرا پیشہ ہے تم روپیہ دو گی۔ میں کام کر دوں گا۔ مگر میں تم کو ہرگز ہرگز ہمدردی کا مستحق نہیں سمجھتا تم نے پڑھ لکھ کر تعلیم کو بھی بدنام کیا۔ تم جیسی آزاد عورت سوسائٹی کے واسطے باعث ننگ ہے۔ ڈپٹی صاحب تمہارے والد ابا جان کے دوست ضرور تھے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ میں اپنی تمام ضروریات تمہاری خواہش پہ قربان کر دوں تم اپنے اس طرز عمل سے اپنی

بہنوں کو سخت نقصان پہونچا رہی ہو اور قدرت نے عورت کا جو
اعتماد مرد کے دل میں پیدا کیا ہے تمہاری حرکات سے مجروح
ہو رہا ہے۔ تم اپنے ساتھ اپنی صنف کی وقعت خاک میں ملا رہی ہو۔
ایک جوان عورت تن تنہا جنگل میں اور پہاڑوں پر اس طرح آوارہ
پھرتی ہوئی دیکھ کر دنیا جو کچھ کہے وہ درست ہے۔ میں تسلیم کر لیتا ہوں
کہ تمہارا شوہر تم سے زیادہ محبت نہیں کرتا اور دوسری بیوی کو سر
آنکھوں پر بٹھا رہا ہے مگر تم جیسی ہزارہا اللہ کی بندیاں ایسی موجود ہیں
جو سوکنوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہیں اور تیوری پر بل تک
نہیں آتا۔"

حیدری خانم "تم ہی جیسی کمبختوں نے شریف عورتوں
کی ور مار رکھی ہے کہ تعلیم کا نام آتے ہی مرد کانوں پر ہاتھ دھرتے
ہیں۔ سوکن تم انوکھی تھوڑی ہی ہو۔ رسول زادیوں پر تو سوکنیں آئیں
اور وہ ہنسی خوشی عمر گذاریں تم ان سے بڑھکر نکلیں کہ سوکن کے ساتھ
میاں کی بھی خون کی پیاسی ہوگئیں۔"

حشمت "عزیزہ بہن! آپ تو مجھکو ماماؤں سے بھی بدتر سمجھ
رہی ہیں اور اس طرح خطاب کر رہی ہیں کہ شاید لونڈیاں بھی اس کو
گوارا نہ کریں۔ وکیل صاحب مرد ہیں مگر آپ تو عورت ہیں اور اس
درد کو سمجھ سکتی ہیں جس سے میں بلبلا رہی ہوں"

حیدری خانم "مجھکو تو بہن نہ کہہ، میں کیوں تیری بہن ہونے لگی؟"

حشمت: "بیگم سہی، سرکار سہی، بیوی سہی لیکن آپ اس قدر کیوں برہم ہوتی ہیں؟ میری تکلیف کا آپ اندازہ فرما سکتی ہیں اس لئے کہ آپ ایک شوہر کی بیوی اور ایک بچی کی ماں ہیں۔ میں بدنصیب ہوں اور آپ کے شوہر کی پناہ میں آئی ہوں۔ آپ سے مدد کی توقع ہے غور فرمائیے کہ میری توقع کہاں تک درست ہے۔"

ظفر: "تمہاری توقع قطعی غلط ہے، اور سب سے بڑا سوال روپیہ کا ہے مجھ سے یہ توقع کہ بلا معاوضہ عدالت میں جاؤں، لغو، لچر، اور فضول۔"

حیدری خانم: "ایسے ذلیل کام کے واسطے کون ایسا پاگل ہوگا جو ہاں میں ہاں ملائے۔"

حشمت: "میں روپیہ دینے کو تیار ہوں میرے پاس نقد نہیں یہ زیور ہے آپ اسکو بیچ کر محنتانہ لے لیجئے۔"

ظفر: "مجھے اس کی ضرورت نہیں، تم خود فروخت کرو اور روپیہ لا دو۔"

حشمت: "آپ میرے بھائی ہیں آپ کے والد مجھے اپنی لڑکیوں کے برابر چاہتے تھے میری شادی کے محرک سچ پوچھئے تو وہی تھے۔ مجھ پر یہ مصیبت ان ہی کی وجہ سے ٹوٹی۔ ان حالات میں آپ اگر مجھ کو مدد دیں تو گناہ نہیں۔ مگر میں آپ کو جو آپ مانگتے ہیں وہ دے رہی ہوں۔ آپ نے پانسو روپیہ فرمائے تھے میرا یہ ہار ہزار روپیہ سے کم کا نہیں سستا ہیں عورت ہوں لوگ خریدنے میں تامل کریں گے آپ

اس کو بکوا سیجئے"

حیدری خانم "تم بازاری عورت ہو ، مردوں کے کان کتر سکتی ہو ۔ جاؤ خود بیچو ، فضول باتیں نہ کرو"

حشمت "آپ تہذیب کو ہاتھ سے نہ دیجئے اور زبان سنبھال کر گفتگو کیجئے"

حیدری "چل نکل یہاں سے ۔ گھر چڑھ کر لڑنے آئی ہے بازاری نہیں تو کیا تو گھر والی ہے"

ظفر "جاؤ جاؤ باہر جاؤ ورنہ میں خود نکال دوں گا ، تم اندر آنے کے قابل نہیں ہو"

حشمت کا برقع سر سے اتر گیا ۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں وہ آگے بڑھی کہ حیدری خانم کا منہ نوچ لے ، دفعتًہ وہی نقاب پوش ہستی اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئی اور غائب ہو گئی ۔

(۴)

عبدل کی بیوقوفی اور اس کی ڈاڑھی نے متیا برنارڈ کو بری طرح پریشان کر رکھا تھا بعض دفعہ اس کی حرکات اس قدر تکلیف دہ ہو جاتی تھیں کہ وہ اس کو موقوف کر دینے کا قصد کر لیتی تھی مگر چونکہ طبیعت انتہائی شریف اور طینت حد سے زیادہ نیک تھی اس لئے خاموش ہو جاتی تھی امریکہ سے کوئی مشنری خاتون پانچ سال کے واسطے ہندوستان آئی برنارڈ نے اس کو کھانے پر بلایا ۔ مشن کی کچھ اور میں بھی تھیں شہر کی

بھی کچھ بیویاں تھیں ادھر ادھر کی باتیں شروع ہوئیں۔

عبدل کا سیاہ چہرہ لمبی سفید ڈاڑھی پلکوں کا ہر لحظہ بند کرنا اور کھولنا گردن ٹیڑھی کرنا ناک جھکا کر ہونٹوں کا سونگھنا، امریکن مہمان مس پارکر کے واسطے ایک نہایت پرلطف مذاق تھا جس میں سب عورتیں برابر کی شریک تھیں بس پارکر کو تو عبدل کے چہرۂ مبارک کی زیارت کا اس قدر شوق تھا کہ دس پندرہ منٹ ہو گئے تو بلا ضرورت منہ دھویا اور تولیہ مانگا۔ عبدل کھانا پکانے میں مصروف تھے پتیلیاں اوتارتے اوتارتے آواز سنکر غسلخانے میں آئے تولیے دو لٹکے ہوئے تھے مگر یہ سوچ کر کہ اجلا بھاؤں جھٹ بکس کھول اجلا تولیہ کالے ہاتھوں سے موجود ہوئے۔ عبدل صاحب کی عقلمندی کے پانچوں نشان تولیہ پر موجود تھے جن کا پورا عکس مس صاحبہ کے چہرہ پر پہونچا سب ہنسنے لگے اور طرہ یہ کہ کالک دیکھ کر عبدل بھی مسکرائے اور کہنے لگے "مجھے جلدی میں ہاتھوں کا خیال نہیں رہا" رفع خجالت یا ایک قسم کی معذرت ماتھے کی سیاہی کالے ہاتھوں سے صاف کرنے لگے، تو رہا سہا سفید حصہ بھی سیاہ ہو گیا۔ اس پر عورتوں کے قہقہے مہمان بیچاری اور برنارڈ میاں زمین میں گڑ گئیں۔ عبدل یہ گل کھلا باورچی خانہ میں چلتے ہوئے برنارڈ بھی پیچھے پیچھے پہونچی اور بہت بگڑی مگر ان پر کیا اثر ہوتا۔ بیچاری نے اپنے ہاتھ سے منہ دھلوایا تولیہ دیا اور سب کو لے کھانے کی میز پر پہونچی۔ مگر ڈر رہی تھی کہ دیکھئے اب عبدل کیا عنایت کرتے ہیں کھانا شروع ہوا اور عبدل صاحب اپنے

مددگار، تو دس برس کے ایک لڑکے کو ساتھ لئے برتن رکھ کھانا لائے۔ سب سے پہلے سوپ یعنی شوربا آیا اب جو بیویاں دیکھتی ہیں تو عبدل صاحب کی ڈاڑھی شوربے میں تیر رہی ہے۔ شوربا رکھا چکے تو ڈاڑھی کی بوندوں نے مہمانوں کے کپڑوں پر افشاں کی۔ مسز برنارڈ اب ضبط نہ کر سکی اور کہا:۔

"تم گندا ہے تمہاری ڈاڑھی نے سب شوربا خراب کیا دیکھو کپڑے برباد ہوئے" عبدل اپنی ڈاڑھی کو نہایت مقدس سمجھتے تھے۔ اور شوربے کی چھینٹوں کو وضو کے قطروں سے کم نہ خیال کرتے تھے انہوں نے اتنا تو کہا "میری ڈاڑھی تو پاک ہے" مگر چھینٹا اتارنے کو سارا الزام مددگار لڑکے پر رکھدیا۔ وہ غریب دونو ہاتھوں میں بھری ہوئی پلیٹیں لئے کھڑا تھا یہ کہہ کر اندھے پنے سے کام کرتا ہے" الا اللہ کا نعرہ لگا جو تھپڑ دیتے ہیں تو لڑکا چکرا کر امریکن مہمان پر پلیٹوں سمیت گرا۔ شوربا گرم تھا، بیچاری کے ہاتھ بھی جلے اور کپڑے بھی بھرے۔ گھبرا کر کھڑی ہوئی اور مہمان قہقہے مارتے ہوئے اٹھے۔ تو عبدل صاحب کا نیولا جو آستین میں رہتا تھا نکل کر باہر آیا۔ نیولے کی صورت دیکھتے ہی امریکن مس کا بلڈوگ اچک کر عبدل پر اور عبدل دھڑسے میاں برنارڈ پر۔ مہمانوں کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ گئے، برتن ٹوٹے، کھانا خراب ہوا، چوٹیں لگیں اور عبدل کی بدولت دعوت کا یہ حشر ہوا۔

~~~~~~~~
~~~~~~~~

(۵)

پیاری حشمت!

مسلمان مرد نے اپنی انسانیت کے اس جزو اعظم کے واسطے جو عورت کے نام سے تعبیر ہوتی ہے جن اسباب مصائب و انتیاز تکالیف کی بنیاد رکھ کر اپنی خودغرضی کے محل تیار کئے ہیں ناپائدار زندگی کی چند گھڑیوں ہیں ہر اس عورت کو جو مسلمان کہلاتی ہے ان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ افکار کے ان جگر خراش مناظر سے جن کی دھار تیغ آبدار سے کم نہیں قصر شاہی کی سنگین محلسرا محروم ہے نہ ٹوٹی ہوئی جھونپڑی کے بوسیدہ تنکے مغلئی حرم سراؤں کے کھنڈر اور شاہی باغوں کے ٹھنڈ اب بھی ان داستانوں کی یاد تازہ کر دیتے ہیں، جنہوں نے تیر و نشتر بنکر مسلمان عورت کو کچوکے دیئے اگر میرے کان دھوکا نہیں دیتے تو میں آج بھی بندھیاچل کی خاموشی اور ہمالیہ کے سکون میں اس مرثیہ کے الفاظ سُن رہی ہوں جو پتھروں سے ٹکرا کر فنا ہو رہے ہیں، اگر میری آنکھ صحیح ہے تو مجھے اس وقت بھی گنگا کی روانی اور جمنا کے بہاؤ میں ان بدبخت عورتوں کی تصویر نظر آ رہی ہے جو مردوں کے مظالم سے زندہ درگور ہوئیں آگرہ کا تاج محل تمہاری نگاہ میں محبت کا ایک لازول خزانہ ہے اور ایسے جواہرات سے جگمگا رہا ہے۔ جن کی روشنی کائنات کو مزین کر رہی ہے مگر میری نگاہیں دریا کی ان لہروں کے آئینہ میں جو ہر روز بلکہ ہر لمحہ تاج محل کے قدموں کو بوسہ دے رہی ہیں۔ بادشاہ کی اُن بیویوں کی صورتیں بھی دکھائی دیتی ہیں جو محبت کے

شاہی انعام سے محروم رہیں۔ ہندوستان کا یہ ورود اسلامی جس کی ابتدا سترہویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے ان لاتعداد واقعات سے لبریز ہے جو ثابت کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ نے جذبات نسوانی کے اس احترام کو قطعًا نظر انداز کر دیا جس کی مثالیں قدم قدم پر اسلام کے دور اولین میں موجود ہیں مگر میں آج تک اس مسئلہ کے سمجھنے سے قاصر رہی کہ کس طرح ہندوستانی مسلمانوں نے فطرت انسانی میں تغیر پیدا کر دیا اور عورت نے اس تکلیف دہ سلوک کے جواب میں بھی محبت کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑا ظلم کا جواب رحم سے دیا اور نفرت کے بدلے محبت کی۔ میں اس کے جواب پر بحث کرنا نہیں چاہتی لیکن یہ ایک ایسی بداہت ہے جس پر ہر صحیح الدماغ انسان متعجب ہو سکتا ہے اور دنیائے انسان کا ہر گوشہ ہندوستان کی مسلمان عورت کے حق میں صدائے تحسین بلند کرنے پر مجبور ہے۔

میری عمر کا بڑا حصہ مسلمان عورت کے مطالعہ میں صرف ہوا اور میری رائے میں اُسکی وقعت اس ملک میں اگر مفقود نہیں تو یا تو جانور کے برابر ہوگی میں نے سترہویں اور اٹھارویں صدی کی عورت کو بھی پڑھا اور بعض دفعہ اس سے آگے بھی نظر ڈالی، اور میں اس نتیجہ پر پہونچی کہ سرشت کا قدرت سے واسطہ نہیں مشرق و مغرب کی عورت میں بعد المشرقین ہے عادت خصلت بلکہ طینت اور نیت بھی حالات کے اثر سے متغیر ہو سکتی ہیں اس سلوک ناروا پر بھی مجھے مسلمان عورت جو مردوں کی

بدولت جانور بن گئی ایک ایسی بلبل ہزار داستان دکھائی دیتی ہے
جس کی سریلی اور دلکش صداؤں نے پنجرے میں آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے
اور کائنات کو اس طرح مسخر کیا ہے کہ ہر ذرہ اس کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔
اس کی خدمات اس قدر گرانقدر اور بیش بہا ہیں کہ ان کا معاوضہ نہیں ہوسکتا
اس نے مسلمانوں کے موجودہ تمدن اور معاشرت کی تکمیل خود فنا ہوکر کی اور اپنی
ہستی مٹا کر مرد کی زندگی پُرامن بنائی تلاش کرو تو پاؤ اور دیکھو تو نظر آئے
کہ اسلامی قبرستان اس دولت سے مالا مال ہیں جس پر دنیائے نسواں
فخر کرسکتی ہے، ان ٹوٹی پھوٹی قبروں، اونچے نیچے گڑھوں اور ڈھے ڈھائے
ٹیلوں میں ایسے درخشندہ چہرے آرام کر رہے ہیں جن کے روبرو ہر طلوع
ہونے والا چاند اپنی گردن جھکا دیتا ہے کھودو اور ڈھونڈو اٹھاؤ اور پڑھو
کہ وہ گھونگھٹوں میں بیٹھی ہوئی سیاہ بال والیاں جو اب کفن میں سفید
بالوں کی چادریں اوڑھے پڑی ہیں ان کی کتاب حیات انسانیت کی ہر نقص
سے پاک ہے ان کے دل بیٹھے ہوئے اور ان کے کلیجے چھلنی ہی سہی مگر ان کی پیشانیاں
بل اور ان کی ابرو شکن سے صاف ہے یہ گوہر آبدار تم کو زندہ دنیا میں بھی دکھائی
دے سکتے ہیں تم مسلمانوں کی بوسیدہ دیواروں اور ٹوٹے مکانوں میں پوچھ
پتہ لگاؤ تو پا جاؤ کہ میلے کچیلے گھروں، چکٹ قمیضوں اور پھٹے دوپٹوں میں کیسے
کیسے چاند چمک رہے ہیں ان کی دیواریں آرائش ظاہری سے محروم اور ان کے
صحن ٹیپ ٹاپ سے مبرا لیکن ان کے دل اسلام کے زیور سے جگمگا رہے ہیں
اور ان کی نگاہیں اپنی زندگی کا مقصد شوہروں کی رضامندی میں ڈھونڈ رہی

رہی ہیں۔ جہالت کے اندھیرے میں یہ مایوں کی دلہنیں ایک جہان کو منور کر رہی ہیں یوم الحق کا وعدہ اگر صحیح ہے تو خدا ئے بہتر و برتر کا کام یہ ہوگا کہ صانع حقیقی میدان حشر میں اپنی اس صنعت کو بوسہ دے یہ وہ گھر اور گھر والیاں ہیں جو تعلیم موجودہ کی مسموم ہوا سے محفوظ ہیں اور اسلام کی اس عصمت کو جو نسلاً بعد نسلاً ان کے سینوں میں چلی آتی ہے دور حاضرہ کے نصاب کی کوئی کاری ضرب نہیں لگی۔

تم شاید چھ برس کی بھی نہ تھیں جب تعلیم و تربیت کے واسطے میرے سپرد کی گئیں اس لئے تمہارے اعمال کی قریب قریب تمام ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے تمہاری بد اعمالی کے جواب میں میں جو عذر کر رہی ہوں وہ بہانہ اور جو وجہ بتاؤں وہ غلط۔ ماں کی خدمت اور باپ کے فرائض زیادہ تر میں نے ہی ادا کئے اور میں کہہ سکتی ہوں کہ جب وقت نے تمکو مجھ سے جدا کیا اور میں تم کو مدرسہ اور بورڈنگ سے رخصت کر رہی تھی تو میرے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ میں ریلوے سٹیشن پر تمہارے آخری بوسہ کے ساتھ تمہاری بچپن کی معصومیت کو وداع کر رہی ہوں اور شباب کے یہ خونخوار پرند جو تمہارے سر پہ منڈلا رہے ہیں شرافت اور انسانیت کے زرین لباس کی دھجیاں اڑا دیں گے

میں نے آج صبح کے فرائڈے نیوز میں تمہارے ارتداد کی خبر پڑھی۔ مجھ پر یہ سنکر کہ تم آغوش اسلام سے نکل کر یہودیت کی حدود میں داخل ہوئیں کیا گذری خدا بہتر جانتا ہے میں خوب سمجھتی ہوں کہ اس ارتداد کے معنی صرف اشخاص کے پنجہ سے رہائی ہے تم یہودیت کو جس کا تم نے خواب میں بھی کبھی

نام نہ سنا، کیا سمجھ سکتی ہو، جب تم اسلام ہی سے جس کی گود میں پیدا ہوئیں اور بڑھیں قطعاً ناآشنا ہو تم نے اپنے ایمان کو ذبح اپنے نفس کو زخمی اور اپنے ضمیر کو مجروح کیا اور مردوں کی نگاہ میں یہ ثابت کر دیا کہ عورت بھی اتنی بے ایمان ہو سکتی ہے۔ تم نے سوسائٹی کا اتنا بڑا گناہ کیا ہے جس کی تلافی تمہارے امکان سے قطعاً باہر ہے۔

میں تسلیم کر لیتی ہوں کہ اشرف کی ناہنجار ہستی نے فرعون کی فرعونیت قارون کی خباثت اور چنگیز کی نخوت کا خاتمہ کر دیا مگر کیا تم کہہ سکتی ہو کہ تاریخ اسلام میں اشرف پہلا ظالم اور تم اول مظلوم ہو، کیا مسلمان لڑکیوں کو اشرف جیسے شوہروں سے پالا نہیں پڑا؟ تمہارا شوہر تمہارا محلہ تمہارا خاندان اس کا جواب دیگا وُوں نہ جاؤ اپنی ناموزاد بہن عائشہ کو دیکھو شوہر، شوہر کی بیویاں، سوکنیں سوکنوں کے بچے، ساس ساس کی فرمائشیں ایک مصیبت ہو تو گنواؤں شوہر کا پکا نے سوکنوں کو کھلائے ان کے بیاڑوں کو بہلائے، ساس کا سر دہلائے خسر کے پاؤں دبائے اور اس کا معاوضہ کیسی خاطر کس کی مدارات، اٹھتے جوتی، بیٹھتے لات، عائشہ کی ذات پر اس کے شوہر کا جو کچھ خرچ ہو رہا ہے اگر اس تنخواہ پر تم کو ہیں ماما ئیں بھیجدو تو میں یہ کہنے کے لئے تیار ہوں میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تمہارے ارتداد کا اصلی سبب زنانہ پرچوں کے وہ مضامین ہیں جو عورت کی تلقین صبر کو خودکشی کا مترادف قرار دے رہے ہیں اور جن کی رائے میں مسلمان عورت کو شوہر کے مظالم پر برداشت کی نصیحت گناہ عظیم ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ اس کے بعد لکھنے والوں کی قلم اور بولنے والوں کی زبانیں گنگ جاتی ہیں اور کوئی یہ نہیں

بتاتا پھر آخر عورت کیا کرے عام ہمدردی اور اخوت یہاں پہونچکر ختم ہو
جاتی ہے اور یہ ناعاقبت اندیش اتنا نہیں سمجھتے کہ تلقین صبر کے خلاف صدا
بلند کرنے کے بعد صرف دو چیزیں رہ جاتی ہیں یا مرجائے یا شوہر کو چھوڑ دے
جب شوہر کا چھوڑنا اس کے اختیار سے باہر ہے اور یہ اختیار احکام اسلام کے
خلاف مسلمان اس سے چھین چکے تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ اس اسلام ہی
کو چھوڑ دے جس کی بدولت وہ ایسے شوہر کے پنجہ میں پھنسی۔ تم اس ہی غلطی اور
بیوقوفی کا شکار ہوئیں مگر اس مرض کے دوسرے علاج بھی تھے۔ یہ بدترین طریقہ
جو تم نے اختیار کیا تم کو دین اور دنیا سے کھو بیٹھا! تم نے اسلام نہیں چھوڑا تم نے
دغا کی اس ماں سے جس کے دودھ سے پلیں، دھوکہ دیا اس باپ کو جس کی کمائی سے
پڑھیں، غداری کی اس خاندان سے جس کی لاج تمہارے ہاتھ تھی، اور سرکشی کی
اس سوسائٹی سے جس کو تمہارے ایک فرد ہونے کا فخر حاصل تھا! تمہاری آنکھ
میں اگر بینائی ہو تمہارے دل میں اگر ایمان ہو تو دیکھو کہ تمہارے ارتداد پر مسلمانوں
کے ساتھ رونے والے کچھ بے جان بھی ہیں یہ تمہارے اس مکان کے در و دیوار
ہیں جس میں جوانی نے تمہاری معصومیت دفن کی، تمہارے گھر کا وہ نیم ہے
جس کے سایہ نے بارہا تم کو گود میں لیا اور جس کی سرسبز شاخوں نے اکثر تم کو
لوریاں دے دے کر جھولا جھلایا ہے۔

میں نے مسلمانوں کے خدا کو نہیں دیکھا مگر مسلمانوں کے پیغمبر کی مقدس
زندگی کے واقعات میری آنکھ کے سامنے ہیں اور میں کہہ سکتی ہوں کہ اس بے مثل
زندگی کا واقعہ نبوت کی تصدیق اور صداقت کا ثبوت ہے یہ وہ نبی ہے جس نے

بادشاہی پر لات مار کر فقیری کو پسند کیا، یہ وہ رسول ہے جس نے دولت کو ٹھکرا کر فاقے کئے، یہ وہ پیغمبر ہے جس نے نفسانیت کو فنا کر کے انسانی دلوں پر حکومت کی، جس نے خود بھوکا رہ کر دوسروں کا پیٹ بھرا، جس نے اپنے کپڑوں میں پیوند لگا کر دوسرے سروں پر تاج شاہی رکھ دیئے۔ جس کے خلق نے دشمنوں کو دوست بنا دیا، جس کے انکسار نے پتھر کو موم کر دیا۔ جس کا رحم، جس کا کرم، اپنے اور غیر کے واسطے یکساں تھا، جس کے دروازے امیر اور غریب کے لئے کھلے ہوئے تھے، جس نے یتیموں اور بے وارثوں کو اپنے کندھوں پر بٹھایا، جو رانڈ اور دکھاریوں کے درد میں شریک رہا!! کون؟ وہ، جس نے ایک طرف سرزمین عرب کی کایا پلٹ دی، اور دوسری طرف ایک معمولی بڑھیا چلچلاتی دھوپ میں اس کو اپنے ساتھ سڑک پر لئے بیٹھی ہے! حشمت درود پڑھ میرے ساتھ اس مقدس نام پر جو طیبہ کی خاک میں آرام کر رہا ہے!

میں اب بھی اپنے اسلام کا اعلان نہ کرتی مگر کوشش کرتی ہوں کہ تجھ جیسی ناہنجار سے جو صدمہ مسلمانوں کو پہنچا ہے اس کی تلافی کروں۔ مجھے مسلمان ہوئے مدت ہوئی۔ مگر میں نے زبان سے اس لئے نہ نکالا کہ جس مذہب میں عرصے تک رہی ہوں۔ اس کی توہین جائز نہیں سمجھتی مجھ پر مذہب عیسوی کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ میرے مرنے والے ماں باپ کی پاک روحیں بھی کچھ توقعات رکھتی ہیں، مجھ پر سوسائٹی کا بھی کچھ حق ہے اور میں نے ہرگز یہ جائز نہیں سمجھا کہ اپنی سرکشی اور غداری سے اپنے دوسرے عیسائی بھائی بہنوں کے دل چکنا چور کر دوں۔

حشمت! بزرگوں کی لاج گنوا چکی مگر ابھی ناموس اسلام تیرے قبضہ میں ہے اور عورت کی عصمت وہ بیش بہا جوہر ہے جس کی قیمت سلطنت بھی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کی تاریخ آج بھی عصمت کی ان شہزادیوں پر ناز کر رہی ہے جنہوں نے اس کے مقابلہ میں تاج شاہی ٹھکرا دیئے، حشمت آرا اگر اس پر حرف آ گیا تو یاد رکھ دنیا کی بدتر سے بدتر مخلوق کتے اور گدھے بھی تیرے منہ پر تھوکیں گے اور تجھکو حق نہ ہوگا کہ تو کسی انسان کو اپنی صورت دکھا سکے۔ سنبھل حشمت سنبھل! وقت نازک معاملہ پیچیدہ اور جوہر گرانقدر ہے امانت میں خیانت نہ ہو! اوپر نگاہ اٹھا اور دیکھ ایک طرف تو ابن ہے مردہ باپ کی امانت اور ناموس اسلام کی! دوسری طرف چند ڈاکو لٹیرے قزاقی پر کمر بستہ ہیں! حشمت عقل ضائع نہ ہو ضمیر کی کسوٹی پر پوری اتر اور انتظار کر اس وقت کا جب موت اس گوہر کو سونے چاندی کے برتن اور دیبا و حریر کے غلاف میں لپیٹ کر فخر کے ساتھ بزرگوں کو واپس کرے۔

ریف برنارڈ

عدالت کا نہ صرف کمرہ بلکہ اندرونی اور بیرونی دونوں احاطے اور احاطوں کے ساتھ سڑک آدمیوں سے پٹی پڑی تھی حشمت کا یہودی ہو جانا ایک ایسی بجلی تھی جس نے مسلمانوں کے خرمن اطمینان کو جلا کر خاک کر دیا وہ دانت پیس رہے تھے اور چاہتے تھے کہ خواہ پھانسی ہو یا جلاوطنی مگر حشمت کو قتل کر دیں اور اس آگ کو ٹھنڈا کریں جو سینوں میں بھڑک رہی ہے۔ حکومت کی طرف سے خاص انتظام کر دیا گیا تھا جگہ جگہ مسلح پولیس موجود تھی اور سواسطے

کہ معاملہ مذہبی اور اہم تھا ایک مسلمان جج ان دونوں مقدمات کے فیصلہ کے
واسطے جنمیں حشمت کی طرف سے خلع کی درخواست تھی اور اشرف کی طرف سے
زوجیت کی، مقرر کردیا گیا تھا حشمت جب اپنے احباب کے ساتھ بے پردہ بے
نقاب عدالت میں داخل ہوئی تو مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا انکی خواہش
تھی کہ فیصلۂ عدالت سے پہلے ہی کم از کم حشمت اور بیہودن آستانی کا قلع قمع
کردیں حشمت نے نہایت عاجزی سے اس گروہ کو مخاطب کیا اور کہا۔

"میں آپ کے جذبات سے ناآشنا نہیں ہوں آپ پر جو حالت اس
وقت گذر رہی ہے اس سے بھی بے خبر نہیں ہوں مگر کاش آپ بھی اس جذبہ
سے باخبر اور اس حالت سے آشنا ہوتے جن کے تحت میں آج میری اور
آپ کی آنکھوں نے یہ دن دیکھا اگر آپ ہمکو ان حقوق کے عطا فرمانے میں بخل
نہ کرتے جو ہمارے پاک مذہب نے ہمکو دیئے تو آج آپ کی آنکھیں اور کان یہ
دیکھتے نہ سنتے کہ ایک مسلمان لڑکی اس طرح آپ سے جدا ہورہی ہے۔ آپ مجھکو
چھوڑیئے جو ہوگیا وہ ہوگیا آیندہ کا فکر کیجئے اور ان لاتعداد دختران اسلام کو
ارتداد سے بچایئے جو میری طرح اپنے حقوق اور اپنا احترام گنوا کر آپ کے کرم اور
محض آپ کی عنایت پر زندہ ہیں۔ ان کے دل زخمی ہیں اور مصیبتوں کی انتہا نے
ان کو اسلام سے برگشتہ کر رکھا ہے اور مجھکو اندیشہ ہے کہ آپ کا یہ صدمہ
جو آج پہلا ہے روز بروز ترقی کریگا اور سینکڑوں مسلمان لڑکیوں کا اسلام اپنے
ظالم شوہروں کی نفس پروری پر قربان ہوکر انکو ارتداد کی پناہ میں پہونچائے گا"۔
اس مختصر تقریر سے بجائے ٹھنڈا ہونے کے مسلمانوں کا غصہ اور بھڑکا۔

ان جاہلوں کے پاس سوا لغویت کے اور کیا تھا۔ ایک نوعمر لڑکا لکڑی تول کر آگے بڑھا اور پوری طاقت سے وار کیا۔ یہ حملہ اگر مردہ نہیں تو حشمت کو ادھ مرا ضرور کر دیتا کہ اسی برقع پوش انسان نے جو نہ معلوم مرد تھا یا عورت، لکڑی اپنے ہاتھ پر روکی پولیس نے معاً اس شخص کو گرفتار کیا لیکن زخمی یعنی برقع پوش انسان غائب تھا۔ ہر چند تلاش کی مگر اس کا پتہ نہ چلا حشمت متحیر تھی کیونکہ یہ تیسرا اتفاق تھا کہ برقع پوش انسان اس کے آڑے وقت میں کام آیا۔ مگر آج بھی یہ معلوم نہ کر سکی کہ یہ محسن کون ہے۔

فریقین کے وکلا نے اپنی اپنی کوششوں میں کسر نہ چھوڑی اشرف کے گروہ نے عدالت سے عرض کیا کہ اگر اس وقت حشمت کو خلع کی اجازت دیدی گئی اور اس کی درخواست منظور ہوئی تو مسلمانوں کے لاکھوں گھر تباہ ہو جائینگے اور بدامنی پھیل جائے گی جب حشمت کو یقین ہو گیا کہ خلع کی درخواست منظور ہوتی دکھائی نہیں دیتی اور عدالت کا رجحان اشرف کی طرف ہے تو اس نے کہا۔

" عدالت کو اچھی طرح معلوم ہے کہ دنیا میں ہر شخص آزاد پیدا ہوا ہے آزادی اس کا فطری حق ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کوشش میں حق بجانب نہیں کہ کسی انسان کی آزادی کا بغیر کسی ارتکاب جرم کے خاتمہ کرے۔ مسلمان عورت کی آزادی اگر نکاح سے سلب ہوتی تو اسکا جرم اس کے سوا کوئی نہیں کہ وہ مسلمان ماں باپ کے ہاں پیدا ہوئی اور اس نے باوجود اس یقین کے کہ اسلامی نکاح درحقیقت اس کے ہاتھ میں ہتکڑی یا پاؤں میں بیڑی ہے اسلام سے قطع تعلق نہ کیا۔ عدالت مجھکو انسان تسلیم کرتی ہے مگر کیا ایک

انسان محض اس لئے کہ خطبہ نکاح کے وقت ہاں کردے مقید ہو سکتا ہے؟ حاشا وکلا مجھے اس کا علم نہ تھا کہ یہ مٹھی بھر پروں کے جانور فضاء آزادی میں تیرتے پھریں، کتے بلی اطمینان سے چھلانگیں ماریں اور خرگوش کلیلیں کریں۔ لیکن مسلمان عورت کا نکاح اسکو قید کرتا ہے اور وہ شوہر کی محکوم ہو کر اپنی آزادی اور حقوق کا خاتمہ کرتی ہے +

آپ میری التجائے خلع کو جو میرا مذہبی حق ہے اور جس نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کو اسلام نے قید نہیں کیا اگر نامنظور کرتے ہیں تو میرے پاس اس کے سوا چارہ نہیں آپ کو اطلاع دوں کہ میں اسلام کو چھوڑ کر یہودی ہوگئی اور احکام اسلام کے موافق میرا نکاح فسخ ہو چکا!!

حشمت کی تقریر سے مسلمان جج صاحب بھی گھبرا گئے ہرچند کوشش کی وکلا سے مدد مانگی مگر زوجیت کی ڈگری نہ کر سکے تاہم اتنا اڑنگا لگا دیا کہ مجھکو شبہ ہے کہ حشمت کا یہ مذہبی تغیر شوہر سے علیحدگی کی ضرورت ہے اگر ایک سال کے اندر حشمت کا یہودی تعلق اس کی مذہبی خدمات اور پابندی احکام اس شبہ کو یقین سے بدل سکیں تو میں اشرف کی دوبارہ درخواست پر غور کروں گا لیکن حشمت کو کسی یہودی سے شادی کر لینا اشرف کے تمام حقوق کو زائل کر دے گا۔

(۶)

عبدل کی ڈاڑھی ہاتھے کا گنا، آستین کا نیولا، جو جاڑے کی ٹھنڈی راتیں اپنے مالک کی ڈاڑھی اوڑھ کر بسر کرتا تھا عمر کے ساتھ لمحہ بہ لمحہ ترقی

کر رہا تھا عبدل کا مددگار لڑکا بودی جو شیطان کا حقیقی بھائی تھا۔ عبدل کا دم ناک میں کر رہا تھا عبدل کے عقاید کی کیفیت یہ تھی کہ اگر اپنا بازو لیکر سٹیشن پر کھڑا ہو جاتا تو لال تعویذوں کی کثرت سے شاید چلتی گاڑی رک جاتی گردن تعویذوں کی پوٹ تھی۔ چونکہ افیونی تھا اس لئے برنارڈ میتا بھی اس سے عاجز ہو گئی تھی، بنگلہ کی وہ کوٹھری جو عبدل کو ملی تھی کسی زمانہ میں مرگھٹ رہ چکی تھی اور عبدل کو پورا یقین تھا کہ یہاں آسیب کا خلل ہے جو مٹھائی لا کر رکھتا بودی چٹ کرتا اور یہ سمجھتا کہ آسیب کھا گیا، ایک رات کو کوئی دو بجے کے وقت جب عبدل پڑا خراٹے لے رہا تھا بودی نے اس کی جیب میں سے روپے نکالنے کی کوشش کی، اندھیرا گھپ تھا جیب میں ہاتھ ڈالتے ہی عبدل کی آنکھ کھل گئی اور سمجھا کہ بھوت ہے ڈر کے مارے گھگی بندھ گئی اور گڑ گڑا کر کہنے لگا۔

"اجی حضور میں تو غلام ہوں"

بودی نے دو تو کانوں پر تھپڑ مارے اور جیب میں سے دام نکال آہستہ آہستہ باہر نکل گیا۔ عبدل دوڑے ہوئے برنارڈ کے پاس آئے وہ بیخبر پڑی ہوئی تھی اسکو جگا کر کہا "چلئے بھوت دیکھ لیجئے" وہ بُرا بھلا کہتی بندوق لیکر آئی تو یہاں کیا رکھا تھا صبح ہو گئی تو رات بھر کے جاگے عبدل لیٹے اور سو گئے، نیولا ڈاڑھی میں گلگشت کر رہا تھا اوپر سے چیل نے جھپٹا مارا اور نیولے کے ساتھ ڈاڑھی بھی پنجہ میں لپٹی عبدل گھبرا کر اٹھے تو چیل کو پکڑ ا ور لئے ہوئے میم صاحب کے پاس آئے کہ یہ بھوت حاضر ہے غصہ میں لال ہو رہے تھے چیل کو میم صاحب کے منہ پر مارا وہ بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی سٹ پٹا کر اٹھی اور ڈر کر پیچھے ہٹی تو

جنوا سے کی ٹٹی پر ہاتھ پڑا اور لہو لہان ہو کر پانی کی ناند میں گری عبدل نے سوچا کہ کہیں بھوت اُڑ نہ جائے آگے آگے چیل اور پیچھے پیچھے عبدل کمرے کے چکر کاٹ رہے تھے چیل مجبور ہو گئی تو اس نے بھی ایک جگہ ٹھٹک کر پر پھیلائے اور چونچ کھول کر آگے بڑھی عبدل سمجھے بھوت کو غصہ آ گیا چیختے ہوئے بھاگے اور برنارڈ کو لپٹ گئے برنارڈ لاکھ ہٹاتی ہے مگر وہ اور زیادہ چمٹا جاتا ہے

(۷)

پیاری حشمت! تمہارا خط مجھے ابھی ملا۔ بیٹی بچی اور عقل کی کچی ہو، مجھ بڑھیا کو چراتی ہو تم جیسی لڑکیاں دو چار یا دس بیس نہیں سینکڑوں ان ہاتھوں سے پال پوس کر ہشیار اور اس دماغ سے پڑھا لکھا کر جوان کر دیں۔ کل جن کو بات تک کرنی نہ آتی تھی آج وہ بچوں والیاں ہیں میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہوا تم سے زیادہ کھائی پانی تم سے بڑھ کر پیا۔ اس دنیا کی حالت اور زندگی معاملات کو تم سے دوگنا اور تگنا، دیکھا اور سمجھا، پرکھا اور بھگتا، تمہاری عقل تھوڑی، تمہارا تجربہ کم، تمہارے خیالات محدود، دھوکہ دیتی ہو مجھکو، باتیں بناتی ہو مجھ سے، اور چال چلتی ہو مجھ پر، تمہارے اس فقرہ پر کہ جس طرح مذہب فرضی طور پر تبدیل کیا اسی طرح نکاح بھی فرضی کر لونگی، ہنسی بھی آئی غصہ بھی، مسکرائی اور جلی بھی، سب کچھ کر چکیں اور کر رہی ہو، یہ دو دن ہو گئیں نکاح کر رہی ہو، مگر جو کچھ ہے وہ فرضی! مرنے کے بعد اگر زبان یاری دے سکے تو کہہ دینا موت فرضی ہے۔ معلوم ہوتا ہے قدرت نے تمام دنیا کو محروم کر کے عقل کے خزانے تمہارے دماغ میں بھر دیئے ہیں تم کو حق ہے کہ اپنے تئیں جتنا چاہے عقلمند سمجھو مگر دوسروں کو بیوقوف

نہ خیال کرو۔

میں نے تمکو ابتداء کے وقت لکھا تھا کہ انسان کی زندگی جس میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں، بہترین دولت اسکا ایمان ہے جسکو اسلام نے کراماً کاتبین کی صورت میں پیش کیا ہے وہ ایمان ہی ہے جو اچھے اور برے اعمال پرکھتا ہے، رات کے سناٹے میں جب ایک سفاک انسان ایک بے بس و بیکس عورت کے کان سے بالیاں گھسیٹ کر اس کو لہو لہان کر دیتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کا دیکھنے والا کوئی نہیں اس وقت صرف اس کا ایمان ہے جو اس کا اعمالنامہ درج کرتا ہے اور اس کے فعل کی تفسیر کر دیتا ہے اس خاموش وقت میں ایک یتیم بچہ جنگل بیابان میں بھوکا پیاسا تڑپتا ہے اور ایک مسافر وہاں ٹھیر کر اس کا پیٹ بھرتا اور پیاس بجھاتا ہے اس کو بھی بظاہر کوئی دیکھنے والا نہیں مگر ایمان کے فرشتے اسکے عمل کو بھی انسانیت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اس کے کان نہ سنیں مگر کائنات کا ہر ذرہ سنتا ہے کہ کن الفاظ میں ظالم کے ایمان نے ملامت کی اور مسافر کے ایمان نے شاباش دی زندگی اس پر لعنت بھیجتی ہے اور اس پر پھول برساتی ہے۔ موت اس کو خار دار جھاڑیوں میں گھسیٹتی ہے اور اس کا فراخ حوصلگی سے استقبال کرتی ہے۔ عورت کے اس ایمان کا دارومدار اس کی عصمت پر ہے اور یہی اس کی عمر کا سرمایہ زندگی کا ماحصل اور دنیا کی کمائی ہے یہ وہ جوہر ہے جس کا فیصلہ موت کرتی ہے اور جب جسد خاکی بے حس و حرکت ہوتا ہے تو قمر چہار دہم کی روشنی اسکی عصمت پر قربان ہوتی ہے۔ آسمانی حکومت اس کے پاؤں چومتی ہے۔ برادری اور عزیز اس کے روشن چہرے پر نثار ہوتے ہیں اور بزرگوں کی مقدس روحیں عزت و احترام کے گہوارہ میں

اسکو عرش معلی تک پہونچاتی ہیں لیکن اگر میدان حیات میں جہاں خوفناک اژدہے ہر طرف منہ کھولے بیٹھے ہیں عورت کا قدم ڈگمگا گیا تو زندگی کے ان چند لمحوں میں جب نفس اس کو دھوکا دیکر اس کے ایمان پر حملہ کرتا ہے عقل کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں تو یہ وہ نازک وقت ہوتا ہے کہ زمین اس ملعون عورت پر شرارے اگلتی ہے چنگاریاں اڑاتی ہے اور انگارے برساتی ہے۔ آسمان اس ناہنجار انسانی ہستی کے منہ پر تھوکتا ہے لعنت بھیجتا ہے اور تبرا کرتا ہے۔

حشمت تجھکو یاد نہ ہو مگر میں نے وہ سبق تجھکو پڑھایا ہے جب شہنشاہ جہانگیر نے اپنا تاج شاہی بھرے دربار میں یہ کہہ کر بڑھیا کے قدموں میں ڈالا "تیری بہو کی عصمت اس سے بہت زیادہ قیمتی ہے"

حشمت! مادر گیتی کی آغوش میں وہ عصمت والی بچیاں جن کی ہڈیاں گل چکیں آج بھی جھولا جھول رہی ہیں آسمان کے روشن تارے ان ہی نیک کوکھ کی بیٹیوں کے مقدس نام ہیں۔ چاند ان کی راستبازی کے گیت گاتا ہے اور فرشتے ان کے پاک دامن پر نماز پڑھتے ہیں میں نے پہلے خط میں یہی لکھا تھا اور آج پھر لکھتی ہوں کہ حشمت تیری عصمت باپ دادا کی امانت ہے جو چاہے کر اور مناسب سمجھے کئے جا مگر اس میں بال نہ آئے اس امانت میں خیانت نہ ہو اور اس عزت میں فرق نہ آنے پائے حشمت یاد رکھ تیری عصمت ناموس ہے اسلام کی اور نام ہے اس دو جہاں کے بادشاہ کا جس کی فقیری پر سلطنتیں قربان اور حکومتیں نثار، پیاری حشمت رحم کر اور نفس کے فریب میں نہ آ۔ وہ کام نہ کر اور وہ نام نہ چھوڑ کہ آنے والی لڑکیاں تجھ پر [illegible]

(۸)

یہودی گرجا دولہن کی طرح قسم قسم کی آرائشوں سے رات کے واسطے دن بھر آراستہ ہوا۔ اپریل کا دوسرا ہفتہ تھا مگر چھ ہی بجے سے درودیوار قمقموں اور قندیلوں سے منور ہوگئے بیلیں چڑھی ہوئی تھیں پھول پھیلے ہوئے تھے اور باجہ کی سُریلی صدائیں آہستہ آہستہ بلند ہو رہی تھیں۔

آٹھ بجے کے قریب حشمت عروسی لباس پہنے اپنی استانی اور دوسری یہودی خواتین کے ساتھ گرجا میں داخل ہوئی استانی کو ایک پرچہ دکھا کر قہقہہ مارا اور کہا یہ میرے شوہر اشرف کا خط ہے جس میں وہ اپنی غلطی کا مقر اور زیادتی کا معترف ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ آیندہ احکام اسلام کے موافق مجھکو گھر کی ملکہ سمجھے گا۔

استانی "ایسے مکار آدمی کا کیا اعتبار خدا خدا کر کے تم نے اس سے رہائی پائی تو اب پھر جال بچھاتا ہے تمہارا نکاح صرف قانونی پناہ کے واسطے مسٹر موسیٰ سے ہو رہا ہے ورنہ تمہارا نکاح گرجا سے ہے اور اس لمحہ کے بعد تم کبھی موسیٰ کی صورت نہ دیکھو گی"

اتنا کہہ کر استانی کمرۂ نکاح میں دولہن کو لیکر چلی اور وقت آیا کہ ایک مسلمان لڑکی **حقوق نسواں کے غاصب مردوں کی بدولت** آغوشِ اسلام سے نکلکر یہودی کے نکاح میں جائے۔

یہودی خطبۂ نکاح پڑھا گیا جس نے حشمت کو مسٹر موسیٰ کی بیوی بنا دیا۔

(۹)

لوڈی واسٹ جیفالٹ تبدیل کے واسطے سچ مچ کا بھوت بنا ہوا تھا۔ جانتا تھا

کہ میم صاحب علی الصباح عبدل کو آواز دیتی ہیں اور یہ فہمی سٹ پٹا کر بھاگتا ہوا ایکدن
اسکی ڈاڑہی میں سگریٹ کے دو ڈبے باندہ دیئے برنارڈ میّاں نے عبدل عبدل کی آواز
دی اور وہ لپک کر صافا باندھتا ہوا چلا تو دونو ڈبّے مجیروں کی طرح بجتے رہے۔
سامنے پہونچا تو اس ہیئت سے کہ ڈبّے ناف پر پڑے ہوئے ہیں برنارڈ میّا کو بھی ہنسی آگئی
اور پوچھا کہ "یہ کیا ہے" تو کہنے لگا، ہے کیا وہی بھوت کے کرتوت ہیں کمبخت پیچھا ہی نہیں چھوڑتا
شام کے چار بجے ہوں گے، دو آدمیوں کو برنارڈ نے چار پر بلایا جب مہمان آگئے
تو عبدل عقلمند سامان تیار کرنہانے لگے۔ بودی شریر نے کپڑے اٹھا دور پھینکدیئے۔
چار کا وقت آگیا میم صاحب عبدل عبدل کے نعرے لگا رہی ہیں اور عبدل کپڑوں
کے انتظار میں خاموش کھڑے ہیں آخر جلکر باہر آئیں اور پوچھا "کیا کر رہا ہے چار
کیوں نہیں لاتا" عبدل ڈاڑہی پر ہاتھ پھیر کر بولے "میم صاحب چار کیا لاؤں،
بھوت کپڑے لیگیا" بودی کی شرارت کا برنارڈ کو علم تھا اور وہ بھی اس سے لطف
اٹھاتی تھی کپڑے منگوا کر دیئے اور ہنستی ہوئی چلی گئی۔

عبدل کی مصائب اس حد تک پہونچ چکی تھیں کہ اس کو ایک پیر جی سے رجوع
کرنا پڑا۔ ان بزرگ نے گیارہ فلیتے دیئے اور پاؤ بھر کالا دانہ کہ "کمرہ میں دہونی دیکر
فلیتے روشن کردو مگر ٹھیک اس وقت جب آدہی رات ادہر اور آدہی رات ادہر ہو بھوت
قدموں میں آپڑیگا اور جلکر خاک ہوجائے گا" بودی عبدل کے ساتھ تھے۔ خوب ہاں
میں ہاں ملائی اور وقت مقررہ آدہی رات سے کچھ پہلے منہ کالا کر اور چار دانت لگا سچ
مچ کا بھوت بن کمرہ کے ایک کونہ میں چھپ گئے۔
جب آدہی رات کا وقت ہوا تو میاں عبدل پڑھنت پڑھتے ہوئے کمرہ میں گھسے

لوبان اور کالا دانہ سلگایا پاؤ بھر کے بدلے بودی آدھ سیر کالا دانہ لایا تھا سارے کمرے میں دھواں گھٹ گیا۔ عبدل نے پہلا ہی فلیتہ جلایا تھا کہ سر پر ایک دو ہتڑ پڑا بودی تھپڑ مار چارپائی کے نیچے گھس گیا عبدل دیکھتے ہیں تو آدمی نہ آزاد اور فلیتہ جلایا تو سر پر دو پڑے جلکر فلیتے پھینکدیئے اور کہنے لگے۔

"پیر کبھی ملا تو پٹوانے والا"

اتنے میں تابڑ توڑ پانچ سات ایسے پڑے کہ چندیا پلپلی ہوگئی حیران تھے کہ سامنے سے بھوت نے جھک کر ہاتھ سے سلام کیا آگے کے چار دانت نکلے ہوئے تھے عبدل کی جان نکل گئی لگے بھاگنے بھوت کیا جانے دیتا تھا۔ گردن پکڑلی۔ عبدل کی روح فنا ہورہی ہے اور کہہ رہے ہیں :۔

"بھائی بھوت حضرت بھوت، میاں بھوت معاف کرو خدا کے لئے معاف کردو"

بھوت اتنا سُن کر ڈاڑھی میں جھول گیا۔ عبدل "ارے مرگیا ارے مرگیا" کے نعرے لگاتے ہوئے بھوت کو گود میں لئے برنارڈ کے کمرے میں پہونچے وہ بھی جاگ رہی تھی۔ اتنی ہنسی کہ پیٹ میں بل پڑ گئے، بہتیری کوشش کی کہ بھوت ڈاڑھی چھوڑے مگر نہ چھوٹی برنارڈ کہہ رہی ہے "عبدل چھوڑو"، عبدل کہہ رہے ہیں ڈاڑھی چھوڑدو" آخر برنارڈ نے قینچی لا ڈاڑھی جڑ سے کتری بھوت ڈاڑھی لے چلتا ہوا اور عبدل جب تک زندہ رہے اپنی ڈاڑھی کو روتے رہے :۔

(۱۰)

چودھویں رات اندا کی کوٹھی اور اندرا سی دیواریں چاندنی رات میں چمک رہی تھیں پائیں باغ کے پھول سو چکے تھے پنکھڑیاں نیچی گردن کئے اونگھ رہی تھیں،

بلبل کا نالہ اور فاختہ کی کو کو ختم ہو چکی تھی۔ نہر کا پانی اور پانی کی روانی خاموش تھی، سرسبز گھانس کے مخملی قطعات بیخبر سے کوٹھی کی تمام کائنات کا ہر ذرہ محو خواب تھا مگر جاگ رہی تھی تو کل شام کی دولہن حشمت جو مضطربانہ ٹہل رہی تھی اور خود بخود میں آپے سے باہر ہو رہی تھی اسکے ہاتھ میں یہ وہ استانی کا پرچہ تھا پڑھتی تھی اور سینہ پر ہاتھ مار کر خاموش ہو جاتی تھی۔ وہ اٹھی کچھ سوچا اور پرچہ پھر پڑھا۔ لکھا تھا

"پیاری حشمت! مسٹر موسیٰ صرف تمہارے دور سے دیکھنے کے متمنی ہیں، میری خواہش ہے کہ تم دونوں کا مستقبل خوشگوار ہو اور تم خوش و خرم رہو۔

حشمت غصہ سے بیتاب ہو گئی، اس نے پرچہ پھاڑ کر پھینکدیا اور بآواز بلند کہا۔

"دغا فریب دہوکا"

اس نے تیز چاقو ہاتھ میں لیا اور کہا۔

"آؤ مسٹر موسیٰ میں اپنا دیدار دکھاؤں"

دو بج چکے تھے کہ حشمت کے کمرہ کی روشنی گل ہوئی، چاندنی کواڑوں کے شیشوں میں سے چھن چھن کر آرہی تھی ایک شخص اس کمرہ میں داخل ہوا حشمت اپنا چاقو لئے آگے بڑھی اور کہا اگر ایک قدم بھی آگے رکھا تو خون کی ندیاں بہاؤں گی۔ جان کی خیر چاہو تو فوراً باہر نکل جاؤ"

موسیٰ بجائے نکلنے کے سر جھکا کر اور عاجزانہ انداز سے آگے بڑھا حشمت اس پر بجلی کی طرح گری دفعتہً وہی برقع پوش ہستی سامنے آئی۔ اور حشمت کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر ہاتھ اٹھ چکا تھا بجائے موسیٰ کے ایک برقع پوش کے پیٹ کو چیر دیا اور یہ نا معلوم انسان یہ کہتا ہوا

"حشمت دنیا میں خوش رہے"

لہولہان زمین پر گرا!

آناً فاناً کوٹھی کے تمام آدمی جمع ہو گئے لاش، مسٹر موسی، اور گرفتار شدہ حشمت کوتوالی پہونچے اور جب یہ معلوم ہوا کہ برقع پوش ہستی حشمت کی سچی رفیق و مونس برنارڈ میاہے. تو حشمت چکرا کر گر پڑی - مقدمہ عدالت میں پیش ہوا اور مسٹر موسی کی یہ شہادت ہوئی:

"میں موسی ہوں نہ یہودی حشمت کا شوہر اشرف ہوں! حیات انسانی کا یہ ایک مقررہ اصول ہے کہ ہر شے جس قدر سہل الحصول ہے اسی قدر اس کی وقعت کم ہے - پیام نکاح کے وقت شوہر ہر قسم کی خوشامد منت سماجت وعدے وعید صرف اس لئے کرتا ہے کہ کامیابی یقینی نہیں ہوتی - لیکن بعد نکاح اسکو یقین کامل ہوتا ہے کہ اب کوئی طاقت اس بیوی کو مجھ سے جدا نہیں کرسکتی - یہ مرگئی اور بھرے گی - رہیگی اور سہیگی، خدا کے مقدس کلام نے اسی واسطے مردوں کو بعد نکاح وہ وقت یاد دلایا ہے جب قبل از نکاح وہ ہر قسم کے معاہدے کرتے ہیں اور اسی کو

میثاقاً غلیظاً

فرمایا ہے میرے کیا کسی مسلمان کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اس کی منکوحہ عورت اس سے جدا ہوسکتی ہے - عورت کی وقعت اور احترام اسی جگہ سے رخصت ہوجاتا ہے اور یہی خیال اور یقین اس کے حقوق کا خاتمہ کرتا ہے، مجھے یہ کہنے میں تامل نہ ہونا چاہیئے کہ اس کی ذمہ داری ہم سے بدرجہا زیادہ ان علماء پر ہے جنہوں نے کبھی بھول کر بھی عورت کے حق پر توجہ نہ فرمائی اور اس کو مردوں کے

سامنے مجبور ولاچار بنا کر پیش کیا علما کے ساتھ وہ جابر افراد بھی اس گناہ سے پاک
نہیں ہیں جو عورت کی خلقت کا مقصود صرف شوہر کی اطاعت سمجھتے اور سمجھاتے
ہیں، میرے دل نے حشمت کی محبت میں کبھی کمی نہیں کی مگر لاپرواہی نے اس کا اظہار
نہ ہونے دیا، میں نے اپنے ہر سلوک کو خواہ وہ ظلم کی حد تک کیوں نہ پہنچ گیا جائز
خیال کیا۔ اور ہر عیب کو چاہے وہ سوہان روح ہی کیوں نہ ہو روا رکھا، میں نخوت
حقوق کے نشہ میں چور رہا اور میری آنکھ سب سے پہلے اس وقت کھلی جب اس نے
خلع کی درخواست کی، میں عدالت کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سے پہلے میں نے یہ
لفظ بھی نہ سنا تھا جب حشمت مرتد ہوئی اور فیصلہ عدالت میرے خلاف ہوا، مجھے
یقین ہو گیا کہ حشمت اب میری نہیں رہی تو دنیا میری آنکھوں میں اندھیر تھی،
میں نے خودکشی کا مصمم قصد کر لیا لیکن حشمت کو ضائع کرنا میرا ایسا سنگین جرم تھا
کہ خودکشی اس کی تلافی نہ کر سکتی تھی میری خوش قسمتی سے عدالت نے ایک سال کی
مہلت دی اور میں نے یہودن استانی صاحبہ سے مرتد ہونے کی التجا کی وہ مجھ
سے واقف نہ تھیں میں ان کے دل میں گھر کیا اور ان کی کوشش سے ہمارا
یہودی نکاح ہو گیا، نکاح کے وقت میری انتہائی کوشش یہ تھی کہ حشمت مجھے
پہچان نہ سکے میں اس میں کامیاب ہوا اور دوسری رات اسکی خوابگاہ میں پہونچا۔۔۔

میں نے پولیس میں بھی کہا تھا اور عدالت میں بھی کہتا ہوں کہ برنارڈ کا قاتل
میں ہوں حشمت نہیں ہے مجھے پورا یقین تھا کہ اس مفارقت کی بڑی وجہ برنارڈ ہے،
میں پھانسی سے پہلے اپنے مسلمان بھائیوں کو یہ پیام پہونچانا چاہتا ہوں
کہ وہ عورت کو اتنا ذلیل وحقیر نہ سمجھیں جتنا ہو لوں اور کٹر مسلمانوں نے اُن کو

سمجھا یا ہے بلکہ وہ اسی عزت و احترام کی مستحق ہے جو مذہب مقدس یعنی اسلام نے اس کو عطا فرمایا۔ خلع اس کا جائز حق ہے اور ہم کو اس کے روکنے کا اختیار نہیں، اگر قاضی اور عدالت ہماری نہیں تو کنبہ کا منڈ، محلہ کا میر محلہ، شہر کے رئیس اور گاؤں کے مکھیا اس حق کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ عدالت پر لعنت بھیجیں اور گھر کی ملکہ کو پاؤں کی جوتی نہ بنائیں، سوسائٹی اور برادری تاراج کردے اس سفاک مرد کو جو معصوم عورت کو تباہ کرے"۔

(۱۱)

اشرف کا بیان ختم ہونے کے بعد حشمت نے کہا:۔

"میں وہ ناہنجار عورت ہوں جس کا وجود اسلام اور انسانیت کے واسطے ننگ ہوا۔ میں نے مسلمان ماں کے دودھ اور باپ کی گود میں اسی واسطے پرورش پائی تھی کہ ان کے بعد ان کے نام کو بٹہ لگاؤں اور ان کے ساتھ خاندان بھر کی عزت گنوا دوں۔ اسلم اور انور جیسے آن بان والے باپ دادا کی روحیں میرے کارناموں سے تڑپ اٹھیں اور حسینہ حلیمہ جیسی نانی دادیاں میرے اعمال سے تھرا جائیں۔ مرنیوالی ماں اور جنتی باپ نے میرا ہاتھ اسی دن کو اشرف کے ہاتھ میں دیدیا تھا۔ افضل اور سعید ساس اور خسر اسی گھڑی کو مجھے بیاہ کر لے گئے کہ میں اُن کی ناک جڑ سے کاٹ دوں۔ بدنصیب ماں اور بدبخت باپ نے مجھے صرف اس لئے جوان کیا تھا کہ ارتداد کلنگ کا ٹیکا لگا کر میرا منہ سیاہ کردے۔ میں نے سوسائٹی کے حقوق برادری کی خدمات اور مذہب کے احسانات کا یہ معاوضہ کیا کہ مسلمان میرے نام سے پناہ مانگیں اور میں مذہب مقدس کو اپنے ارتداد سے سرنگوں کردوں، یا میرا

گلا گھونٹ دیتی اور باپ مجھے زہر دیدیتا اس سے پہلے کہ میں اسلام کی یہ توہین کرتی اور مسلمانوں کے دل دکھاتی میں بے خبر نہیں ہوں اس درد سے جو میرے ارتداد سے مسلم دلوں میں پیدا ہوا، نا آشنا نہیں ہوں، بے خبر نہیں ہوں، ناواقف نہیں ہوں اس کیفیت سے جو مجھ بدبخت ناشدنی ناہنجار عورت کی وجہ سے اسکی قوم پر گذری میں وہ بے حیا، بے غیرت اور بے شرم انسان ہوں کہ زندگی منہ پر تھوک رہی ہے، موت مجھپر لعنت بھیجے گی۔ دنیا میری صورت سے متنفر اور آخرت میرے نام سے بیزار، آج کنبہ مجھ سے بچ رہا ہے اور محلہ مجھ سے بھاگ رہا ہے کل قبر مجھکو دھتکارے گی اور دوزخ مجھکو ٹھکرائیگی۔ میں نے غداری کی اپنے مذہب سے سرکشی کی اپنے بزرگوں سے اور نمکحرامی کی اپنے ماباپ سے، میری ناپاک ہستی شکار ہوئی میرے نفس کی اور میرا ایمان قربان ہوا میری اغراض پر، ضرورت تھی کہ میں آفاتِ حیات کا مقابلہ مردانہ وار کرتی، اشرف اگر میری محبت کا اہل نہ تھا اور عورت کی اسلامی وقعت سے اس کا دماغ محروم تھا تو میں ہمت وجرأت سے مقابلہ کرتی، ایثار سے جو مسلمان عورت کا موروثی حصہ ہے اور جس کا خون آج بھی مسلمان عورت کی رگوں میں دوڑ رہا ہے کام لیتی، اشرف کے خیالات کو کچل دیتی اور اس کو شکست دینے کے واسطے میدان میں اترتی صداقت کے سنگین ہتھیار میرے ہاتھ میں ہوتے اور خلوص کی مسلح فوج میرے ہمراہ اس وقت میری گردن اپنی مسلمان بہنوں کے حقوق سے دبی ہوئی ہے میں نے ان کی حق تلفی کی اور مسلمان لڑکیوں کے احترام کو مجروح کیا۔ مجھ ستمگار نے جو کانٹے اپنی بہنوں کے راستہ میں بچھائے وہ بتا رہے ہیں کہ نفسانیت کس طرح ایمان انسانیت اور شرافت کا خاتمہ کر دیتی ہے میرا دل جل جل کر کباب ہو نا میرا جسم پھٹ پھٹ کر

نیلا ہو جاتا۔ میں مر جاتی۔ لیکن کس طرح اشرف کو تباہ اس کو تاراج اور اس کے غضب کو فنا کر دینے کے بعد سچائی میری رہنما ہوتی۔ خدا کا سایہ میرے سر پر ہوتا۔ اور اس مبارک انسان کا کرم میرے ساتھ ہوتا جس کے مقدس نام لینے کا اب میری ناپاک زبان کو حق حاصل نہیں۔ میں دنیا کو دکھا دیتی کہ مسلمان عورت کی گردن جہاں خدائی فیصلہ کے سامنے جھکی ہوئی ہے وہاں وہ اپنے جائز حقوق کے واسطے کس طرح سینہ سپر ہو سکتی ہے۔ میرا ایثار اس خار دار راستے کو دوسری بہنوں کے واسطے گلزار بنا دیتا اور میری مصیبت کا خاتمہ مسلمان لڑکیوں کے واسطے راحت کے دروازہ کھول دیتا مگر میرے مقدر نے مجھکو وہ دن دکھایا جو خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ میں اس بھرے مجمع میں اعتراف کرتی ہوں کہ اگر مسلمانوں کی پوری جماعت مجھکو سنگسار کر دے تو بھی میرے جرم کی کافی سزا نہیں ہو سکتی لیکن اسکے ساتھ میں یہ بھی کہوں گی کہ حیدر جیسے وکیل اور حیدری خانم جیسی عورت کو بھی جنکی زندگی کے دائرے صرف گھر کی چار دیواری تک محدود ہیں دنیائے اسلام میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔ اس وقت جبکہ اسلام نرغہ میں ہے کیا وہ شخص جو گھر میں اطمینان سے بیٹھا مسلمانوں سے بیخبر ہے کیا اسلام کا سچا دوست ہو سکتا ہے؟ کیا مسلمان مردوں اور عورتوں کا اسلام صرف اپنی ذات پر ختم ہو جاتا ہے کیا ان پر اسلام کے کچھ حقوق نہیں ہیں؟ حیدر صاحب وہ وقت بھول جائیں، مگر اسلام وہ وقت فراموش نہیں کر سکتا جب کلمہ توحید کی ایک پڑھنے والی، بے بس و بیکس ہو کر، ان کے حضور میں پناہ لینے حاضر ہوئی۔ ان کی حیدری صاحبہ نے کتے کی طرح اس کو دتکارا اور انہوں نے اس مصیبت زدہ کا زیور لینے میں تامل

تک نہ کیا!!

میں نے جیسا کہ ابھی بیان کیا اگر مجھ میں اشرف کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی، اور وقت نے عورت کی جرأت فنا کر کے اسکی شجاعت کو بزدلی بنا دیا تھا تو میرے واسطے بہترین پناہ اسوۂ حسنہ ہوتا اور ان مسلم خواتین کی زندگی میری رہنمائی کرتی جنہوں نے شوہر کی ہر مصیبت کو راحت سمجھا اور زندگی کی کٹھن منزلیں ان کے واسطے پھول ہو گئیں۔ انہوں نے خدا کی خوشنودی کا جمال شوہر کی رضا مندی میں دیکھا اور سخت سے سخت آفت میں بھی ان کے قدم نہ ڈگمگائے۔ خود میری خاندانی تاریخ ان محترم مخدرات سے بھری پڑی ہے جن کے سینوں پر سوکنوں کے تیر برسے جن کے کلیجوں پر ظالم شوہروں نے قیامت توڑی، جن کے دل سفاک خاوندوں کے مظالم سے چکنا چور ہوئے لیکن ان کی تیوری پر بل نہ آیا! میرے ناپاک ہاتھوں نے ان پاک بیبیوں کے کفن سیئے ہیں، میری ان بدبخت آنکھوں نے ان نسوانی صورتوں کی زیارت کی ہے جنہوں نے اپنا عیش و آرام راحت و آسائش سنگدل شوہروں کی سختیوں پر قربان کی میرے اس شہر کا قبرستان ان متبرک ہڈیوں کو سجدے کر رہا ہے جن کی پائدار زندگی کے گیت اب بھی کبھی کبھی فاختہ کی کو کو اور املی کے پتوں میں سنائی دیئے جاتے ہیں۔ مگر مجھ روسیاہ کے ہاتھوں یہ سب کچھ ہونا تھا جو ہوا اور آج مجھے حق نہیں کہ میں اپنی صورت تو کیا اپنی آواز بھی کسی انسان کو سنا سکوں مجھے اُمید نہیں کہ قبر میرے ذلیل جسم کی پردہ پوشی کرے گی مگر میرا وہ خدا جو ستار ہے شاید میری رسوائی کا خاتمہ کر دے ۔

مروت حقیقت پر پردہ نہیں ڈال سکتی، اشرف کے ہاتھوں جو رہ جانی اور

جسمانی اذیتیں مجھکو پہونچیں وقابل اظہار ہیں جب یہ ناقابل برداشت ہوگئیں تو میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے پنجہ سے رہائی پاؤں مگر میری ہر کوشش بے سود ہوئی اور میں اشرف کے الفاظ نہیں بھول سکتی کہ

"اگر زمین کی تہہ میں بھی ہوگی تو چوٹی پکڑ کر نکال لاؤں گا"

میری ناامیدی میں یہودن استانی میری مددگار ہوئی - اور میں اسی کی ترغیب سے برگشتہ اسلام، مگر وہ خدا جو عالم الغیب ہے بتا سکتا ہے کہ میری نیت کیا تھی یہودن استانی نے مجھے دہوکہ دیا اور رات کے وقت موسیٰ کو جو بعد میں اشرف نکلا میرے پاس بھیجدیا ٭

جج صاحب! آپ شاید مسلمان عورت کی عصمت کا صحیح اندازہ نہ لگا سکیں ایک موسیٰ کیا اگر ہزار موسیٰ ہوتے تو میں تحفظ عصمت کے لئے قتل کردیتی عورت کی قیمت اس کی عصمت ہے یہ وہ بیش بہا دولت ہے جس کی قیمت سلطنت کی شہنشاہی ہے نہ خدا کی خدائی، کس کی مجال تھی کہ میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لیتا۔ آپ کو غالبًا معلوم ہوگا کہ روم میں جس چیز نے ہارون کے ہاتھوں خون کی ندیاں بہادیں وہ مسلمان عورت ہی کی عصمت تھی - ہماری عصمت کا مول ہمارا خطبۂ نکاح ہے اور یہ ہمارے پاس امانت ہے اس اسلام کی جس کا بانی (قربان اس مقدس نام پر) طیبہ کی خاک میں آرام فرما رہا ہے موت میرا خاتمہ کرتی زمین نگل جاتی اور آسمان ٹوٹ پڑتا مجھپر اس سے پہلے کہ میری عصمت پر حرف آتا اس میں شک نہیں کہ وقت نے آج ہمارے تمام جواہرات چھین لئے مگر ابھی ہمارے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں اور میلے کچیلے گھروں میں عصمت کے ایسے

گرانقدر لال چمک رہے ہیں جن پر اسلام فخر کرے گا۔ میرے اعمالنامہ میں کرم اور رحم معافی اور درگذر کی مطلق گنجائش نہیں میری وہ رفیق استانی برنارڈ جس نے میری مردہ ماں کی ممتا یاد دلائی میرے ان منحوس ہاتھوں قتل ہوئی اور میں وہ محسن کش ہوں جس کے جرائم کی تلافی نہیں ہو سکتی ؛

اشرف کا یہ بیان کہ میری پیاری ما برنارڈ کا قاتل وہ ہے درست نہیں اس کی قاتل میں ہوں اشرف مجھ سے اپنی غلطیوں اور خطاؤں کے معاف کرنے کا خواستگار ہے، میں سچے دل سے معاف کرتی ہوں اور عدالت سے التجا کرتی ہوں کہ میری پھانسی کا جلد حکم صادر کیا جائے تاکہ اب میں زیادہ ذلیل و رسوا نہ ہوں۔"

اتنا کہہ کر حشمت نے شوہر کی طرف دیکھا اور کہا ؛

" اشرف میں تیری غلطیوں سے درگذری مگر میری ایسی خطا نہیں جو قابل معافی ہو اس لئے اس کی جرأت نہیں کر سکتی البتہ اپنی ناچیز خدمات کا واسطہ دیکر تیری محبت سے درخواست کرتی ہوں کہ زندگی کی سختی آسان کرتا کہ موت مجھ بے حیا کا خاتمہ کرے مجھے اپنے ہر قصور کا اقرار ہے، اور مغفرۃ کی کوئی توقع نہیں مگر خدائے بہتر و برتر عالم الغیب ہے اور جانتا ہے کہ میں اپنی عصمت پر جس کا مالک اشرف اور صرف اشرف تھا قربان ہوئی ؛"

اس کے بعد حشمت نے جج کی طرف دیکھا اور کہا خدارا جلدی کیجئے ؛"

حشمت کی تقریر اس قدر موثر تھی کہ کمرۂ عدالت میں سناٹا چھا گیا اور جب جج نے سرکاری وکیل سے جو اثبات جرم کا ساعی تھا دریافت کیا کہ وہ کہنے "

تو اس کی زبان بھی خاموش تھی کچھ دیر کے سکوت کے بعد عدالت نے یہ الفاظ کہے:۔

"عینی شاہد نہ ہونے کی وجہ سے حشمت بری کی جاتی ہے"

یہ فیصلہ پورا ختم نہ ہوا تھا کہ اللہ اکبر کے نعروں سے زمین و آسمان گونج اٹھے مسلمانوں نے اسی وقت چار گھوڑوں کی گاڑی پھولوں سے آراستہ کی اور حشمت کا جلوس نکالا جامع مسجد میں دوبارہ نکاح پڑھا گیا نکاح کے بعد جب مؤذن نے عصر کی اذان میں یہ لفظ کہے:۔

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ

تو حشمت چیخ مار کر اشرف کے قدموں میں گری اور کہا "اس نام کے تصدق میرا قصور معاف کردو"

اشرف کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اس نے بہ منت کہا:۔

"میں نے معاف کیا خدا معاف کرے"

جلوس تمام شہر میں سے گذرا جب ختم کے قریب تھا تو ایک جگہ عبدل سامنے آئے دولہا دولہن کو روکا اور پوچھا۔

"آپ صاحبوں نے میری ڈاڑھی تو نہیں دیکھی"

جوبلی نمبر عصمت ۱۹۲۸ء

۳۱۹۸

کتابی صورت میں پہلی مرتبہ ستمبر ۲۹ء میں یہ افسانہ شائع ہوا

(مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی)